International Journal of Humanities Social Science and Management (IJHSSM)
Volume 3, Issue 1, Jan.-Feb., 2023, pp: 513-517 ISSN: 3048-6874
www.ijhssm.org

The Literary Genius of the Deccan Kings

Dr MAHBOOB MOHD
D.I.F.A (Arabic); M A; M Phil; Ph. D (Urdu)
D. K. Government Degree college for women (A),
Nellore.
Andhra Pradesh, Pin: 524003

شاہانِ دکن کی ادب نوازیاں

ماہرینِ لسانیات اور محققین اس نکتہ پر متفق ہیں کہ اردو خالص ہندوستانی زبان ہے۔اس کا جنم یہیں ہوا، یہ یہیں پلی بڑی جوان ہوئی اور اپنی رعنائی و شیرینی سے تمام ہندوستانیوں کے دِلوں پر صدیوں سے حکومت کر رہی ہے۔لیکن ہندوستان میں اس کا جنم کس علاقے میں ہوا، اس بات پر اختلافِ رائے پائی جاتی ہے۔اس ضمن میں مختلف ماہرینِ لسانیات نے مختلف رائے قائم کی ہیں۔لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس کا ابتدائی ادب دکن میں پروان چڑھا اور دکنی زبان نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔اسی بنیاد پر نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب ''دکن میں اُردو'' میں یہ نظریہ پیش کیا کہ اردو کا جنم دکنی زبان اور دکن سے ہوا۔

اس سچائی سے پردہ پوشی نہیں کی جا سکتی کہ اردو کی ترقی میں دکنی زبان نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔دورِ حاضر میں دکن کے علاقے میں یہ زبان ''بولی'' کی حیثیت سے آج بھی زندہ ہے۔کچھ شعراء آج بھی اس زبان میں اپنی فکر و فن کے جوہر دکھاتے ہیں۔اس زبان کی ترقی و ترویج شاہانِ دکن کی مرہونِ منت ہے۔دکن میں بہمنی حکومت کے قیام ہی سے اردو کا سورج طلوع ہوا۔جب اس سلطنت کے ٹکڑے ہوئے تو عادل شاہی عہد اور قطب شاہی عہد میں وہ اپنی تاب و توانائی دکھانے لگا۔دکن کے فرماں روا بذاتِ خود اہلِ کمال اور شاعر و ادیب تھے اور باکمالوں کی قدر و منزلت میں یکتا تھے۔

دکن میں اردو زباں و ادب کے ارتقاء کی تاریخ چار سو سالوں پر مشتمل ہے۔اس کی ابتداء بہمنی سلطنت کے قیام سے ہوئی۔چنانچہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ''دکنی ادب کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔''اس خاندان نے ۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۵ء تک اس ملک کی تہذیب و معاشرت اور ادب و سیاست کی رہنمائی کی اور اپنے بعد ایسی مستقل یادگاریں چھوڑ گیا جو اس کے نام اور کام کو یاد دلاتی رہیں گی۔ان یادگاروں میں سب سے اہم اردو زبان اور ادب ہے۔جو انہی کی سرپرستی میں پورے دکن میں یعنی بحیرۂ عرب سے لے کر بحیرۂ بنگال تک رائج ہو گیا اور اس وسیع ملک میں جگہ جگہ اس کے مرکز قائم ہو گئے۔جن میں گلبرگہ، بیدر، قندھار، گوگی، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، کرنول، کڑپہ، ویلور، مدراس، بودھن، اورنگ آباد وغیرہ تاریخِ ادب اردو میں اب تک یاد کیے جاتے ہیں۔'' (محی الدین قادری زور، دکنی ادب کی تاریخ، صفحہ ۱۰)

بہمنیوں کی ادب پروری اور ادبا نوازی کے واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ان میں سلطان محمد شاہ ثانی (۱۳۷۸ء ۔ ۱۳۹۶ء) کا ایک واقعہ کافی مشہور ہے۔اس نے فارسی کے شہرۂ آفاق شاعر خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی جو اپنے دیوان کی بدولت شہرتِ دوام رکھتے ہیں کو دکن آنے کی دعوت دی۔حافظ شیرازی دکن آنے کے لیے راضی ہوئے۔سفرِ دکن کے لیے جہاز پر سوار ہوئے لیکن بحری سفر سے گھبرا کر جہاز سے اتر گئے بعد میں سلطان محمد شاہ ثانی کو معذرتی خط لکھا اور بادشاہ کی خدمت میں ایک غزل لکھ کر بھیجی جو بہت مشہور ہوئی۔

اس خاندان میں فیروز شاہ بہمنی بھی علم و فضل اور شعر و ادب کا دلدادہ تھا۔اسی کے دور میں خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ گلبرگہ تشریف لائے۔اس

1

International Journal of Humanities Social Science and Management (IJHSSM)
Volume 3, Issue 1, Jan.-Feb., 2023, pp: 513-517 ISSN: 3048-6874
www.ijhssm.org

واقعہ کو مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام'' میں لکھا ہے۔ خواجہ بندہ نواز اپنے پیرومرشد حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ کی وفات کے بعد دہلی سے گجرات ہوتے ہوئے گلبرگہ پہنچے تو ان کی آمد کی خبر فیروز شاہ بہمنی کو ہوئی۔ عبدالحق مزید لکھتے ہیں ''بادشاہ کو جب فیروزآباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان وامرائے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانِ خاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سرزمینِ دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔''
(مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، صفحہ ۱۵)

خواجہ بندہ نواز نے ۱۰۵ سال کی عمر پائی تھی اور ۱۰۵ کتابیں لکھیں۔ اردو نثر کی پہلی کتاب ''معراج العاشقین'' آپ ہی نے ''دکنی زبان'' میں لکھی۔ اس کی دکنی نثر ملاحظہ فرمائیں۔

''انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں، ہور پانچ دربان ہیں۔ پیلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امارہ یعنی واجبؔ کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو۔ حسد تک سوں بدبوئی نا لینا سو۔ بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو۔ کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا۔ نبض پہچان کوں دوا دینا۔'' (مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، صفحہ ۶۱)

یہ سب فیروز شاہ بہمنی کی ادب نوازی کا کرشمہ تھا کہ اس نے ایسی فضا بنائی کہ اس کے بعد آنے والے بادشاہوں نے بھی ادیبوں کی قدردانی کی۔ انہیں شاہی سرپرستی عطا کی جس کی وجہ سے اس کی سلطنت میں خواجہ بندہ نواز کے علاوہ عبداللہ حسینی، نظامی بیدری، مشتاق، لطفی، فیروز، اشرف، شاہ میراں جی شمس العشاق، سید شہباز حسینی جیسے شاعر و ادیب پیدا ہوئے جنہوں نے دکنی اردو میں بہت سی نظمیں، غزلیں، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، ہدایت نامے، چکی نامے اور مذہب و تصوف کے موضوع پر بیش قیمتی تخلیقات یادگار چھوڑیں۔ یقیناً یہ اردو ادب میں اضافہ ہیں۔ بہمنیوں کی اس ادب نوازی کے متعلق ڈاکٹر زور لکھتے ہیں۔

''اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ بہمنیوں نے دکن میں علم و فضل اور شعر و سخن کی ایک ایسی اچھی فضا پیدا کر دی تھی جو ان کی سلطنت کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ ان کی جانشین حکومتوں اور خاص کر بیجاپور اور گولکنڈہ میں ایسی نشوونما پائی کہ دنیائے اردو اس پر جتنا ناز کرے کم ہے۔'' (محی الدین قادری زورؔ، دکنی ادب کی تاریخ، صفحہ ۲۴)

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد عادل شاہی حکمرانوں نے اردو ادب کی خدمت کی۔ اس دور میں بیجاپور اردو زبان و ادب کا مرکز بنا۔ ۱۴۹۰ء سے ۱۶۸۶ء تک یہاں کے فرماں رواؤں نے شاعروادیبوں کی وہ قدردانی کی، کہ جس کی مثالیں تاریخِ ادبیات میں نایاب نہ سہی کم یاب ضرور ہیں۔ اس سلطنت کا بانی یوسف عادل شاہ (۱۴۹۰ء - ۱۵۱۸ء) محمود گاواں کا تربیت یافتہ تھا۔ محمود گاواں ایک صاحبِ فکر اور سلجھی ذہنیت کا مالک تھا۔ یوسف عادل شاہ کی شخصیت پر اس کے اثرات ہوئے وہ بذاتِ خود فارسی کا اچھا شاعر تھا اس کا کلام شائع ہوا ہے۔ یوسف عادل شاہ اور اس کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ (۱۵۱۸ء - ۱۵۳۴ء) گو کہ اردو سے نا آشنا تھے لیکن اہلِ اردو کے قدردان تھے۔ اسماعیل بھی فارسی کا شاعر تھا۔ وفائیؔ اس کا تخلص تھا۔ اس کا بھی کلام دستیاب ہے۔ اس کا فرزند ابراہیم عادل شاہ (۱۵۳۴ء - ۱۵۵۷) شاعر نہ تھا لیکن اس نے اپنے آباواجداد کی پیروی کی۔ اس کی ادب نوازی کا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ اس کی قدردانی کے چرچے سن کر اس زمانے کے مشہور صاحبِ کمال مولانا شہیدؔ قمی گجرات سے بیجاپور آئے تو ابراہیم نے ان کی سرپرستی کا آغاز اس طرح کیا کہ ان سے کہا۔ ''جتنا زرِ نقد اٹھا سکتے ہو شاہی خزانہ میں جا کر اُٹھا لو''۔ بادشاہ کی بات سن کر شہیدؔ قمی نے کہا کہ ''میں فی الحال سفر کی وجہ سے تھکا ہوا ہوں۔ جس دن گجرات سے چلا تھا اس وقت اب سے دوگنا زیادہ طاقت رکھتا تھا۔'' ابراہیم عادل شاہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ کہ تم نہیں جانتے کہ تاخیر کرنے میں آفت اور زیاں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسی وقت جاؤ اور دو مرتبہ جس قدر زرِ نقد اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔'' چنانچہ شاعر نے

2

International Journal of Humanities Social Science and Management (IJHSSM)
Volume 3, Issue 1, Jan.-Feb., 2023, pp: 513-517 ISSN: 3048-6874
www.ijhssm.org

دومرتبہ میں پچاس ہزار رہن اٹھالئے۔'' (زور، دکنی ادب کی تاریخ ،صفحہ۲۶)

تاریخ میں ایسی ادیب نوازی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ابراہیم عادل شاہ کا فرزند علی عادل شاہ بھی ادب نوازی اور ادبا نوازی میں اپنے بزرگوں سے پیچھے نہ تھا وہ بذاتِ خود ملا فتح اللہ شیرازی جیسے جید عالم کا شاگرد تھا۔بادشاہوں کی اس ادب نوازی کا اثر ان کے وزراء پر بھی ہوا چنانچہ علی عادشاہ کا وزیر افضل خاں شیرازی بھی ادب نواز تھا وہ بھی ملا فتح اللہ شیرازی کا شاگرد تھا۔وہ بھی بذاتِ خود عالم و فاضل تھا۔اس کے محل میں ہمیشہ علمی وادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔علمی بحثیں ہوتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ اس دور میں بیجاپور عالموں اور فاضلوں کا مرکز بن گیا تھا۔

بیجاپور کی ادبی تاریخ میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد کو عہدِ زریں کہا جاتا ہے۔ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء ۔ ۱۶۲۶ء) بہت بڑا صاحب کمال گزرا ہے۔وہ ہندی موسیقی کا ماہر تھا۔اس ضمن میں اس کی کتاب 'نورس' کافی مقبول ہے۔اس کتاب میں فن موسیقی کی مبادیات بیان کی گئیں ہیں۔ابراہیم عادل شاہ ثانی قومی یکجہتی کا علم بردار بھی تھا۔اس معاملے میں وہ اکبر سے کسی درجہ کم نہ تھا۔لیکن اس کے اس پہلو کو مورخوں نے جتنا اجاگر کرنا چاہیے تھا نہیں کیا۔جب مغلوں نے گجرات اور احمد نگر کی سلطنتوں کو تباہ کرنا شروع کیا تو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے وہاں کے ادیبوں کو بیجاپور آنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ اپنے نمائندے بھیج کر انہیں مال وزر سے نوازا اور عزت واحترام سے اپنی سلطنت میں داخل کیا۔اس دور میں بیجاپور میں بہت سے صاحب کمال جمع ہوئے۔ان میں سے ظہوری، رفیع الدین شیرازی، محمد قاسم فرشتہ، ملک قمی، خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔**''تاریخ فرشتہ''** محمد قاسم فرشتہ نے اسی زمانے میں لکھی ملک قمی نے **''مخزن اسرارِ نظامی''** کے جواب میں ایک مثنوی لکھی تو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اسے اونٹ کے وزن کے برابر سونا عطا کیا۔

بادشاہوں اور وزیروں کی قدردانی تو ہم نے دیکھ لی۔اس سلطنت کی رانیاں بھی اس معاملے میں پیچھے نہ تھیں۔چنانچہ محمد عادل شاہ (۱۶۲۶ء۔ ۱۶۵۶ء) کی ملکہ خدیجہ سلطان شہربانو اس ضمن میں قابلِ ذکر ہے۔یہ گولکنڈہ کے محمد قطب شاہ کی دختر تھی۔اس کی پرورش بھی ادبی ماحول میں ہوئی تھی۔جب وہ شادی کے بعد بیجاپور آئی تو اس نے بیجاپور میں ادبی مقابلے منعقد کیے۔واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ اس نے اعلان کیا کہ جو بھی فارسی کے ''خاور نامہ'' کا اردو میں ترجمہ کرے گا اس کو شاہی انعام سے سرفراز کیا جائے گا اور وہ سلطنتِ بیجاپور کا بہترین شاعر قرار پائے گا۔''اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ سینکڑوں تخلیقات وجود میں آئیں۔قطب رازی، مرزا محمد مقیم مقیمی استرآبادی، ملک خوشنود جیسے شاعر وادیبوں نے وہ فن پارے تخلیق کیے جس سے اردو ادب مالا مال ہوگیا۔ملک خوشنو نے اس مقابلے میں اول مقام حاصل کیا۔آگے چل کر وہ سلطنتِ بیجاپور کا سفیر بنا کر گولکنڈہ بھیجا گیا۔ملک خوشنو خدیجہ سلطانہ کا غلام ہونے کے باوجود اس کے مائیکے میں اس غلام کا ایسا استقبال ہوا کہ شاہی محل کے عہدہ دار شہر سے باہر آ کر اس کو شہر میں لے گئے۔ملک خوشنو دنے دربار میں پہنچ کر سلطان عبداللہ کی تعریف میں ایک ایسا قصیدہ پڑھا کہ جسے سن کر بادشاہ پھڑک اٹھا اور اس کو خلعت وانعام سے سرفراز کر کے ایک عظیم الشان عمارت میں اس کی رہائش کا انتظام کیا اور جب بھی وہ دربار میں حاضر ہوتا اسے بیش قیمتی تحفوں سے نوازتا تھا۔

محمد عادل کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا لڑکا علی عادل شاہ ثانی (۱۶۵۶ء ۔ ۱۶۷۳ء) تخت نشین ہوا وہ خود بھی بہت اچھا شاعر تھا۔اس کا مکمل دیوان موجود ہے۔وہ شاہیؔ تخلص کرتا تھا۔وہ بھی اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چلتا تھا۔ملا نصرتیؔ اسی دور کا شاعر ہے۔وہ بادشاہ کا ہجولی بھی تھا۔اس کو بادشاہ نے ''ملک الشعراء'' کا درجہ عطا کیا۔اس کے متعلق ڈاکٹر زور لکھتے ہیں۔''نصرتیؔ کو بیجاپوری دربار میں وہ عزت اور مرتبہ حاصل تھا جو کسی اور دکنی شاعر کو کسی اور جگہ حاصل نہیں ہوا۔''نصرتیؔ آج بھی اردو کے قد آور شعراء میں شمار کیا جاتا ہے اس کی مثنویاں ''گلشنِ عشق'' اور ''علی نامہ'' کافی مقبول ہیں۔(محی الدین قادری زورؔ، دکنی ادب کی تاریخ ،صفحہ۴۴)

شاہانِ بیجاپور کے قائم کردہ ادبی ماحول کے اثرات عوام پر بھی ہوئے۔کئی غیر درباری شعراء وادبا نے ادب تخلیق کیا ان میں شاہ ملک، شاہ امین الدین اعلیٰ، سید میراں ہاشمی، محمد امین ایاغی، سیوا، عبدالکریم کریم، مومن، مرتضیٰ، حسینی مختار، قدرتی، قادر، شاہ من عرف، شاہ معظم، مرزا بیجاپوری کے نام

3

International Journal of Humanities Social Science and Management (IJHSSM)
Volume 3, Issue 1, Jan.-Feb., 2023, pp: 513-517 ISSN: 3048-6874
www.ijhssm.org

اہمیت کے حامل ہیں۔سید میراں ہاشمی اردو کے پہلے ریختی گوشاعر ہیں۔مختار نے ۳۰ ہزار ابیات پر مشتمل مثنوی لکھی۔مرزا بیجاپوری مرثیہ گوتھا۔اس کا غزل کی ہیت میں لکھا ہوا ایک مرثیہ آج بھی دکن میں محرم کے موقعوں پر خصوصا یوم شہادت کو تعزیوں کے الوداعی جلوس میں بڑی عقیدت سے گایا جاتا ہے۔اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

الوداع، اے الوداع، شاہِ شہیداں الوداع | الوداع ابنِ علی، دو جگ کے سلطان الوداع
اس جفا کے تیر بیٹھے ہیں گگن کے تن اوپر | نیں ستارے ہیں یو سب دستے ہیں پیکاں الوداع
شۂ کا ماتم سن دریا کی موج نت نعرا کرے | غرق ہیں اس غم سوں سب لولو و مرجاں الوداع

(دکنی ادب کی تاریخ،صفحہ ۵۲)

قطب شاہی فرماں روا بھی ادب پروری اور ادب نوازی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔قطب شاہی عہد ۱۵۰۷ء سے ۱۶۸۷ء مانا جاتا ہے۔ ان فرماں رواؤں نے ۱۸۰ سالوں تک گولکنڈہ موجودہ آندھرا پردیش کے علاقوں پر حکمرانی کی۔اس دور کے بادشاہوں میں ادب نوازی کی مثالیں جمشید قلی کے عہد سے ملتی ہیں۔جمشید قلی بذاتِ خود فارسی کا اچھا شاعر اور شعرا و ادباء کا قدر دان تھا۔اس کا فارسی کلام دستیاب ہے۔اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم قلی قطب شاہ (۱۵۵۰ء۔ ۱۵۸۰ء) شاعر نہ تھا لیکن شاعر پرور و شاعر نواز ضرور تھا۔اسی دور میں یہاں ادبی فضاء قائم ہوئی۔اسی دور میں دور دور سے صاحبانِ علم و فن اس کے پایۂ تخت میں جمع ہوئے۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور اس کی سمجھ بوجھ اور ادب نوازیوں کے متعلق اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں۔

"ابراہیم قطب شاہ ہمیشہ سفر و حضر میں اہل فضل و ہنر کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو اسکی مجلس میں علومِ دینی اور مسائل دُنیوی پر بحث و مباحثہ کرتے۔اس نے گولکنڈہ میں ایسے مدرسے قائم کئے جن میں مفت تعلیم کے علاوہ طلبہ کو وظیفے اور انعام بھی دیے جاتے تھے۔وہ شاعروں اور عالموں کا اتنا قدر دان تھا کہ جب کبھی شاہی باغوں سے میوہ آتا تو اس کا کچھ حصہ ان کے لیے ضرور روانہ کرتا۔اس نے جمشید کے قائم کیے ہوئے لنگر خانے کی امداد میں بھی کافی اضافہ کر دیا تھا۔جس کی وجہ سے عالموں اور شاعروں کو زیادہ فراغ حالی نصیب ہوگئی تھی۔" (محی الدین قادری زورؔ، دکنی ادب کی تاریخ،صفحہ ۵۵)

ابراہیم نے اردو کے علاوہ تیلگو زبان و ادب کی بھی سرپرستی کی۔اس نے تیلگو شعراء و ادبا کی قدر دانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔یہی وجہ تھی کہ اس علاقے میں اردو کے ساتھ ساتھ تیلگو زبان و ادب بھی پروان چڑھا۔اس ضمن میں ڈاکٹر زور نے تیلگو کے شاعر پونی کنتی تیلی گنا کا یہ واقعہ درج کیا ہے۔

"ابراہیم نے تلنگی شاعری کی بھی بڑی قدر دانی کی۔اس کے عہد میں کئی تلنگی شاعر شاہی سرپرستی سے مستفید ہوئے۔ان میں سے ایک "پونی کنتی تیلی گنا" نے جو اس کے ایک امیر امین خاں کا متوسل تھا۔اپنی ایک نظم "یایتی چرتر" میں پانچ سو سطروں میں اپنی قدر دانی کا ذکر لکھا ہے اور کہتا ہے کہ جب میں نظم سنانے کے لیے گیا تو مجھے قریب بیٹھنے کی عزت بخشی گئی۔ میرے جسم پر خوشبوئیں لگائی گئیں۔ایک نہایت عمدہ کیسری رنگ کا شال میرے کندھوں پر ڈالا گیا اور جواہرات کا ایک ڈبہ مجھے دیا گیا اور پھر نظم سنانے کی فرمائش کی گئی۔" (محی الدین قادری زورؔ، دکنی ادب کی تاریخ،صفحہ ۵۵)

اس واقعہ کے مطالعے سے ابراہیم قطب شاہ کی مذہبی رواداری،فراخ دلی،فیاضی اور ادب نوازی کا اندازہ ہوتا ہے۔اسی دور میں ملا خیالی،سید محمود اور فیروز جیسے شاعر و ادیبوں نے دکنی زبان کو خوب ترقی بخشی۔ابراہیم کے دور میں گولکنڈہ اردو ادب کا مرکز بن گیا۔

اس کے بعد اس کا جانشین محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء) تخت نشین ہوا۔یہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے۔وہ بیک وقت فارسی ،اردو اور تیلگو،تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔اردو کے مختلف محققوں نے اس کے اردو کلام کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے پچاس ہزار سے زائد اشعار کہے۔ ڈاکٹر زور نے اس کا ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل کلیات شائع کیا ہے۔یہ مغل حکمراں شہنشاہ جلال الدین اکبر اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کا ہم عصر تھا۔حُسنِ

4

International Journal of Humanities Social Science and Management (IJHSSM)
Volume 3, Issue 1, Jan.-Feb., 2023, pp: 513-517 ISSN: 3048-6874
www.ijhssm.org

اتفاق سے یہ تینوں بادشاہ اپنی رنگا رنگ تہذیب، قومی یکجہتی اور ادب نوازی میں مشترک تھے۔ قلی قطب شاہ کی دوسری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بادشاہ ہونے کے باوجود صحیح معنوں میں ایک عوامی شاعر تھا۔ نظیر اکبر آبادی سے پہلے اس نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر موجود ہیں۔ ہندوستان کی رنگا رنگ تہذیب کے علاوہ یہاں کے رسم و رواج، تہوار کا بیان بھی موجود ہے۔ وہ ابتداء میں ''معانی'' تخلص کرتا تھا بعد میں ''قلی'' اختیار کیا۔ اس دور میں ملا اسداللہ وجہی سب سے بڑا شاعر اور نثار گزرا ہے۔ اس نے اسی دور میں ''قطب مشتری'' جیسی مثنوی لکھی۔ وہ گولکنڈہ کا پہلا ملک الشعراء تھا۔ اس نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دور میں ۱۰۴۵ھ ۱۶۳۴ء میں ''سب رس'' لکھی۔ یہ کتاب اردو کی ادبی نثر کی پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمثیلی ادب میں بھی اس کی خاصی اہمیت ہے۔ سب رس اس نے عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس واقع کو سب رس کے دیباچہ میں وہ اس طرح لکھتا ہے۔

> ''صباح کے وقت بیٹھے تخت۔ یکا یک غیب تے کچھ رمز پا کر۔ دل میں اپنے کچھ لیا کر۔ وجہی نادر فن کوں۔ دریا دل گوہر سخن کوں حضور بلائے پان دیے۔ بہت مان دئے۔ ہور فرمائے کہ انسان کے وجود بیچ میں کچھ عشق کا بیان کرنا۔ اپنا ناؤں عیاں کرنا۔ کچھ نشاں دھرنا۔ وجہی بھوگنی گن بھریا۔ تسلیم کر کر سر پر ہاتھ دھریا۔'' (محی الدین قادری زور، دکنی ادب کی تاریخ، صفحہ ۶۴)

قطب شاہی عہد کا دوسرا بڑا شاعر غواصی ہے۔ اس کی ''مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال'' کو اردو شاعری میں خاصی اہمیت حاصل ہے۔ تیسرا اہم شاعر ابن نشاطی تھا۔ مثنوی ''پھول بن'' کی وجہ سے اس کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ سینکڑوں شاعر و ادیب اس دور میں پیدا ہوئے۔ مختلف اصناف نثر و نظم میں طبع آزمائی کی۔ ان کی تخلیقات کی بدولت ابتدائی دور ہی میں اردو ادب نے ترقی کی منزلیں طئے کی اور آنے والے شاعر و ادیبوں کے لیے ادبی فضاء قائم کی۔

اسی ادبی ماحول کا نتیجہ ہے کہ حیدرآباد آج بھی علم و ادب کا مرکز بنا ہوا ہے۔ قطب شاہی دور کے زوال کے بعد اورنگ آباد میں ولی اورنگ آبادی اور سراج اورنگ آبادی جیسے شاعروں نے جنم لیا۔ جنہوں نے اسی علمی و ادبی فضا سے استفادہ کیا جو شاہانِ دکن نے قائم کی تھی۔ ولی دکنی نے دکن کی اس میراث کو شمالی ہندوستان میں پہنچایا۔ شمال کے شعراء اردو میں اس درجہ معیاری کلام کو سن کر حیرت زدہ ہوئے۔ ولی کے زیرِ اثر انہوں نے شعر گوئی کا آغاز کیا۔ اسی بنیاد پر ولی کو محمد حسین آزاد نے اردو شاعری کا ''باوا آدم'' قرار دیا۔

دراصل دکنی ہی آج کی جدید اردو ادب کی بنیاد ہے۔ جس زمانے میں شمالی ہندوستان میں اردو صرف بولی جاتی تھی۔ اس زمانے میں دکن میں ادب تخلیق پا رہا تھا۔ اردو کی پہلی نثری تصنیف اور ادبی نثر کی پہلی تصنیف کا تعلق دکن سے ہے۔ مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعیائی۔ نظم کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔ یہاں تک کہ ریختی کی بنیاد بھی دکن میں ہی رکھی گئی۔ تاریخِ اردو ادب میں دکنی ادب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ اور یہ سب شاہانِ دکن کی ادب نوازیوں کا فیضان ہے۔